النبأ العظیم
(۲۰)

شادی بیاہ کے معاملہ میں ایک نہایت قبیح رسم جو اگرچہ اصلاً تو بنگال اور بہار کی ہے مگر اب دوسرے علاقوں میں بھی عام ہوتی جاتی ہے وہ ہے جسے تلک بولتے ہیں۔ شریعت میں مہر کا ضروری ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ چونکہ عورت اپنے آپ کو مرد کے سپرد کرتی ہے اس لئے عورت کی طرف سے اس اقدام کے احترام میں شریعت نے مرد پر یہ فرض عائد کیا ہے کہ وہ مہر کی صورت میں اس احترام کا اظہار کرے۔ ظاہر ہے اس صورت میں عورت یا اس کے والدین سے کسی رقم کے مطالبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے لیکن تلک میں ہوتا یہی ہے۔ لڑکے کی عمر قابلیت اور اس کے دوسرے اوصاف وکمالات کے پیش نظر شادی کے بازار میں اس کو نیلام پر چڑھایا جاتا ہے اور جو شخص اس کی قیمت پیش کرسکتا ہے وہ اس کو دامادی کے لئے خرید کرلیتا ہے۔ اس رسم کے نتائج بسا اوقات نہایت خطرناک اور نقصان رساں ہوتے ہیں۔ کیونکہ لڑکے والوں کی نگاہ صرف روپیہ پر ہوتی ہے اور لڑکی کیسی ہے کیسی نہیں ان باتوں سے ان لوگوں کو کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ دوسری جانب جو لڑکیاں خوبصورت ہیں، نیک اور تعلیم یافتہ ہیں لیکن بدقسمتی سے غریب گھرانے میں پیدا ہوئی ہیں وہ اسی طرح بن بیاہی ماں باپ کے سر پر ایک بوجھ بنی بیٹھی رہتی ہیں اور ان کے اس صبر اور بے بسی کے اثر سے پوری مسلم سوسائٹی متاثر ہوتی ہے۔ قارئین برہان کو یاد ہوگا سولہ سترہ برس پہلے راقم الحروف نے انہیں صفحات میں کئی قسطوں میں اس رسم کے خلاف لکھا تھا اور اس زمانہ میں یہ معمول بنا لیا تھا کہ جہاں کہیں مسلمانوں کے کسی جلسہ میں تقریر کرتا تھا وہاں اس رسم کا ضرور ذکر کرتا تھا قارئین کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ اسی زمانہ میں بنگال اور بہار سے چند لڑکیوں کے خطوط موصول ہوئے

جن میں سے بعض نام کے ساتھ تھے اور بعض گمنام۔ ان خطوط میں مقالہ نگار کو دعائیں دی گئی تھیں کہ اللہ نے کس طرح ان کی آہ سوزاں اس تک پہنچادی اور اس نے ان کی حمایت اور دادرسی کے جذبے سے قلم کو جنبش دی چونکہ اس پر پہلے بہت کچھ لکھا جاچکا ہے اور اللہ کے فضل وکرم سے نوجوانوں کے ایک طبقہ پر خاطرخواہ اثر بھی ہوا ہے اس لئے اب پھر ان باتوں کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے لیکن مسلمانوں کو سوچنا چاہیئے کہ شریعت کے احکام کی اصل اسپرٹ اور اس کی روح کو پس پشت ڈال کر وہ اپنے سماجی اور تہذیبی معاملات میں کس عظیم گمراہی میں مبتلا ہو گئے ہیں اور ان کی وجہ سے معاشرہ میں کیسا فساد پیدا ہوگیا ہے۔

تلک کے علاوہ بہت سے اونچے گھرانوں میں "کابین نامہ" یا "تفویض نامہ" کا بھی رواج ہے۔ اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ شوہر ایک تحریر میں اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ اگر میں نے اس قسم کا کوئی فعل کیا تو بیوی کو حق ہوگا کہ اپنے اوپر طلاق واقع کرلے۔ اگرچہ بعض علماء اور مشائخ کی مساعی کی وجہ سے کابین نامہ کا اب وہ رواج نہیں رہا جو اب سے تیس چالیس برس پہلے تھا لیکن پروفیسر فیضی نے ابھی حال میں مسلم پرسنل لا پر جو ایک رسالہ انگریزی زبان میں لکھا ہے۔ اور جس پر برہان میں ابھی پچھلے دنوں تبصرہ ہو چکا ہے اس میں یہ تجویز پیش کی ہے کہ "کابین نامہ" کو قانونی طور پر لازمی قرار دیا جائے تاکہ عورتوں کے ساتھ جو ناانصافی ہو رہی ہے اس کے لئے حفظ ماتقدم کا بندوبست کیا جاسکے لیکن ہماری رائے اس کے حق میں نہیں ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ فقہ کی کتابوں میں ایک باب "تفویض الطلاق" کا بھی ہوتا ہے۔ اور اس بنا پر کابین نامہ لکھوانے کو ناجائز یا حرام قرار نہیں دیا جاسکتا لیکن یہ بات بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اسلام میں اصلاً طلاق کا حق اور اس کا اختیار مرد کو ہی دیا گیا ہے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ حکم غایت حکمت ومصلحت اندیشی پر مبنی ہے۔ چنانچہ یورپ میں جہاں یہ اختیار عورت کو دے دیا گیا ہے اس سے کس قسم کا معاشرتی انارکزم پیدا ہے؟ اسے باخبر حضرات خوب جانتے ہیں۔ اور تفویض نامہ کے ذریعہ اس اختیار میں عورت کو بھی شریک کرلیتا ہے جو قرآن کے منشا کے خلاف ہے۔ علاوہ ازیں

اعتماد سے اعتماد پیدا ہوتا ہے اور بے اعتمادی سے بے اعتمادی۔ یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے اس بنا پر تفویض نامہ کے ذریعہ جب شوہر پر بے اعتمادی کا اظہار کیا جائے گا تو نفسیاتی طور پر شوہر کے دل میں بھی اس کا ردعمل پیدا ہوگا۔ اور اس سے ازدواجی زندگی جس کا تانا بانا ہی اعتمادِ باہمی سے تیار ہوتا ہے اس کا متاثر ہونا ناگزیر ہو جائے گا۔ البتہ ہاں! اگر شوہر کا کیریکٹر پہلے سے مشتبہ ہو تو اس صورت میں تفویض نامہ احتیاط اور حفظ ماتقدم کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر تفویض کو جائز رکھا گیا ہے۔ اسی بنا پر کتب فقہ میں ایک باب مستقل اس کا بھی ہوتا ہے۔ جس میں اس کے احکام مذکور ہوتے ہیں لیکن شریعت کی اسپرٹ کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ صرف ضرورت کی چیز ہے اس کو اسی حد تک محدود رہنا چاہئے، عام معمول بنا لینا صحیح نہ ہوگا۔

بعض لوگوں میں خاندانی عصبیت اس درجہ شدید ہوتی ہے کہ وہ غیر خاندانوں میں شادی کرنا معیوب اور خلافِ شان سمجھتے ہیں۔ یاد رکھنا چاہئے۔ یہ ذہنیت سرتاسر غیر اسلامی اور جاہلیت کی یادگار ہے۔ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے۔ وہ رنگ و نسل اور خاندان و وطن کے امتیازات کو یکقلم محو کر کے ایک ملی وحدت پیدا کرنا چاہتا ہے۔ کسی قسم کی خاندانی یا جماعتی عصبیت کے بغیر باہم رشتہ ازدواج قائم کرنا اس وحدت کے لئے تقویت کا باعث ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ڈاکٹروں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ خاندان میں شادی بیاہ کو محدود کرنے کا نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ نسل کمزور ہو جاتی ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کے دورِ عروج و ترقی کی تاریخ میں ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان ایک ملک سے دوسرے ملک میں بے تکلف آتے جاتے، ایک دوسرے کے ساتھ معاشرت رکھتے اور جہاں چاہتے تھے کسی دشواری کے بغیر رشتۂ ازدواج قائم کر لیتے تھے ہندوستان میں خاندانی عصبیت کی یہ وبا پہلے پہل ان لوگوں میں پیدا ہوئی جو ہندو سے مسلمان ہوئے تھے اور خصوصاً جو اصلاً راجپوت تھے۔ پھر ان لوگوں کے ساتھ اختلاط و ارتباط کے باعث وہ گھرانے بھی اس کا شکار ہو گئے جو ایران و ترکستان اور خراسان وغیرہ سے یہاں آباد ہوئے تھے۔ اگرچہ جدید تعلیم و تہذیب کے اثرات نے اس عصبیت کو بہت

کچھ نرم کر دیا ہے۔ لیکن دیہاتوں اور قصبات میں اور بعض خاص خاص ریاستوں کے شہروں میں اب بھی ایسے مسلمان خاندان کثرت سے ہیں جو اس جہالت کا صید زبوں ہیں اور اسلامی سماج کو متاثر کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک دلچسپ واقعہ کا ذکر بے محل نہ ہوگا۔ ایک عرصہ کی بات ہے مولانا محمد حفظ الرحمٰن رحمتہ اللہ علیہ جو رشتہ میں میرے برادر بزرگ ہوتے تھے اسی قسم کے ایک معاملہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمانے لگے "ہم لوگوں کی سخت مشکل ہے۔ اب خاندان میں قابل لڑکے ملتے نہیں ہیں۔ اور خاندان سے باہر ہم شادی بیاہ کر نہیں سکتے"۔ میں نے فوراً کہا "بھائی! بڑے تعجب کی بات ہے کہ آپ جیسا عالم بھی اس قسم کے غیر اسلامی تصورات کے شکنجہ میں جکڑا ہوا ہے"۔ موصوف یہ سنتے ہی حسب عادت بھڑک گئے اور بولے "جی! کیا کہا آپ نے! غیر اسلامی! بھلا اس میں غیر اسلامی ہونے کی کیا بات ہے؟" اب میں بھی سنبھل گیا اور بولا "جی ہاں! یہ خاندان کی قید سرتاسر غیر اسلامی، بلکہ حضور کے حکم کی صریح خلاف ورزی ہے"۔ اب میں نے یہ کہا تو مرحوم بھائی اور بھی بگڑے۔ اور فرمایا "تم بھی کمال کرتے ہو۔ یہ حکم کہاں ہے؟" میں نے حدیث پڑھی "اغتربوا لا تضووا"۔ اس کے بعد میں نے کہا "اغتراب کے معنی سفر کرنا بھی ہیں اور غیر خاندانوں میں شادی کرنا بھی"۔ پھر میں نے ایک کتاب تسہیل الدراسہ فی شرح الحماسہ کا حوالہ دیکر کہا کہ مصنف نے یہ دوسرے معنی مراد لئے ہیں۔ اگرچہ میرے نزدیک دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں اور ارشاد نبوی کا مطلب یہ ہے کہ "تم سفر کرتے رہا کرو۔ یا غیر خاندانوں میں شادی بیاہ کرو تاکہ تمہاری نسلیں کمزور نہ ہوں"۔ ہائے! اللہ نے ان کو کیا محبوب شخصیت عطا فرمائی تھی۔

اب بھی ہیں تیرے تصور سے وہی راز و نیاز
اپنی بچھڑی ہوئی آغوشِ محبت کی قسم (جگر)

بھائی اب نرم ہوئے اور میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولے "یہ تم نے ایسی ایسی حدیثیں کہاں سے یاد کر رکھی ہیں۔ میری نظر سے تو یہ حدیث کبھی نہیں گذری"۔ اس زمانہ میں بھائی کو اہلحدیث سے مناظرہ اور ان کے رد میں لکھنے کا بڑا شوق تھا۔ اس لئے میں نے ان کو چھیڑنے کے لئے کہا

ہی! مجھ میں اور آپ میں فرق یہ ہے کہ آپ کی توجہ صرف ان احادیث پر مرکوز رہتی ہے جن میں
اختلافی مسائل کا بیان ہے اور چونکہ میرے نزدیک ان مسائل کی کوئی اہمیت نہیں ہے کسی نے
رفع یدین کیا تو کیا اور نہیں کیا تو کیا۔ آمین بالجہر کہی یا بالسر۔ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھی یا نہیں
پڑھی۔ نماز بہرحال دونوں کی درست ہوگئی اور ثواب بھی کسی کا کم اور کسی کا زیادہ نہیں ہوا۔
اس بنا پر ان اختلافی مسائل کی اہمیت عمل کے اعتبار سے کچھ بھی نہیں ہے۔ اور ان سے متعلق جو
بحثیں ہیں ان کو صرف ایک علمی بحث کہا جا سکتا ہے۔ اس لئے میں اُن احادیث سے زیادہ اعتنا
کرتا ہوں جن میں معاملات اخلاق اور آداب زندگی سے متعلق حکمت و دانش کے سینکڑوں ہزاروں
جواہر پارے گرانمایہ چھپے ہوئے ہیں۔ اُن احادیث کا غور اور توجہ سے مطالعہ کیجئے اور علمائے
اجتماعیات و اخلاق نے ان چیزوں کے متعلق اب تک جو کچھ کہا ہے اس سب کو ذہن میں رکھئے تو
قدم قدم پر دل بے ساختہ

بیتیمے کہ ناکردہ قرآن درست
کتب خانۂ چند ملت بشست

کی تصدیق کرتے اور سبحان اللہ! صلی اللہ علیہ کہتے ہوئے آگے بڑھتا ہے۔

اب میں نے دیکھا کہ بھائی حفظ الرحمٰن (اللہ ان کی قبر ٹھنڈی رکھے) میری یہ تقریر سنکر
سنجیدہ ہوگئے۔ کچھ دیر خاموش رہے اور پھر فرمایا "اچھا! کفو کے متعلق تم کیا کہو گے؟ ہمارے
امام صاحب (امام ابوحنیفہ) کے ہاں تو اگر کوئی لڑکی غیر کفو میں نکاح کر لے تو سرے سے نکاح
منعقد ہی نہیں ہوتا۔ البتہ امام محمد کے نزدیک ولی کی اجازت پر موقوف رہتا ہے۔ اگر اجازت
دے دی تو نکاح رہ گیا ورنہ باطل ہوگیا۔ جس زمانہ کا یہ واقعہ ہے اس وقت تک میں نے اس
مسئلہ پر نہ غور کیا تھا اور نہ تحقیقی طور پر اس کا مطالعہ کیا تھا۔ اس لئے میں نے اس سوال کے جواب
میں صرف اس قدر کہا کہ میری رائے میں کفو سے مراد خاندان نہیں ہے بلکہ رہن سہن بود و باش
اور سماجی معاملات میں وہ ہمسری مراد ہے جس کو ازدواجی تعلقات کی خوشگواری میں طبعی

طور پر بہت کچھ دخل ہوتا ہے۔ پھر یہ ہمسری بھی مستحسن اور پسندیدہ اشیا میں سے ہے۔ ورنہ فی نفسہٖ اس قدر اہم اور ضروری نہیں ہے کہ اگر یہ مفقود ہو تو سرے سے نکاح ہی منعقد نہ ہو۔ اور اپنی اس رائے کے ثبوت میں حضرت زید بن حارثہ کے ساتھ حضرت زینب بنت جحش کے نکاح کا واقعہ پیش کیا۔ اس سلسلہ میں میں نے مزید عرض کیا "تاریخ اسلام میں یہ واقعہ نہایت اہم ہے اور اسی وجہ سے قرآن مجید میں اس کا ذکر خاص اہتمام سے کیا گیا ہے لیکن افسوس ہے لوگوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ اللہ اور اس کے رسول کی اصل حکمت اور مصلحت کیا تھی جس کے باعث یہ نکاح ہوا بھی اور پھر طلاق بھی ہو گئی۔ اور اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کو خود اپنے حبالۂ عقد میں قبول فرما لیا۔!" میں نے کہا "سنیے! واقعہ کی ترتیب یہ ہے کہ:

(۱) پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کی دلی رغبت کے بغیر زید بن حارثہ سے ان کا نکاح دنیا کے سامنے اس بات کی ایک عملی مثال قائم کرنے کی غرض سے کیا کہ اسلام نے تمام طبقاتی اونچ نیچ ختم کر دی ہے اور اب رنگ و نسل اور خاندان اور وطنیت و قومیت کی بنیاد پر نہ کوئی چھوٹا ہے اور نہ بڑا۔ بس! "اکرمکم عند اللہ اتقاکم"۔

(۲) اس نکاح سے عملاً یہ حقیقت ثابت ہو گئی۔ لیکن دنیا کی سب سے بڑی سچائی بھی انسان کے فطری اور طبعی امیال و عواطف کو جن کی تعمیر و تشکیل میں وراثت، خاندانی ماحول اور روایات کو بہت کچھ دخل ہوتا ہے۔ یک بیک تبدیل نہیں کر سکتی۔ اس بنا پر یہ نکاح ہو تو گیا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ قریش کے سب سے اونچے خاندان کی ایک حسین و جمیل لڑکی، پیغمبر آخر الزماں کی پھوپھی زاد بہن ایک آزاد کردہ غلام کو بیاہی گئی ہے۔ لیکن بہرحال میاں بیوی چونکہ ہم کفو یعنی ہمسر نہیں تھے اس لئے نباہ نہ ہو سکی اور نوبت بایں جا رسید کہ طلاق ہو گئی۔

(۳) طلاق عورت کے لئے ایک بدنما داغ ہے۔ اس لئے سماج میں مطلقہ

عورتیں، عموماً عزت اور احترام کی نظر سے نہیں دیکھی جاتیں۔ اور پھر حضرت زینب تو ایک آزاد کردہ غلام کی مطلقہ تھیں۔ اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو طبعی طور پر ایک طرف تو حضرتِ زینب کو جو صدمہ پہنچا اس کا ملال تھا اور دوسری جانب آپ کو اس کا بھی خیال تھا کہ ایک مطلقہ عورت کو سماج میں جس نظر سے دیکھا جاتا ہے اس کی اصلاح کی جائے۔ ان دونوں چیزوں کے تدارک کے لئے اس سے بہتر کوئی اور صورت نہیں ہو سکتی تھی کہ آپ خود حضرت زینب سے نکاح کر لیں۔

(۴) لیکن چونکہ حضرت زید بن حارثہ حضور کے متبنیٰ تھے اور اس وقت تک کوئی واضح حکم اس سلسلہ میں اللہ کی طرف سے نازل ہوا نہیں تھا۔ اس بنا پر آپ متردد تھے۔ اور اقدام کرنے میں پس و پیش فرما رہے تھے۔ اس پر وہ آیت نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا کہ اے پیغمبر آپ لوگوں کے کہنے سننے کی پرواکیوں کرتے ہیں۔ آپ کو ڈر اور خوف جو کچھ بھی ہے وہ تو خدا کا ہونا چاہیئے یعنی جب خدا جانتا ہے کہ آپ حضرت زینب کے ساتھ نکاح کا ارادہ کس مقدس اور پاک جذبہ سے کر رہے ہیں اور متبنیٰ کا حکم ابن کا نہیں ہوتا تو اب تامل کی کیا بات ہے؟

بہرحال واقعہ صرف اس قدر تھا اور ظاہر ہے اس میں اسلام کی نہایت اہم اور بنیادی تعلیمات کی کس درجہ بصیرت افروز عملی تمثیل ہے لیکن اسلام کے دشمنوں کو کیا کہئے۔ خود ہمارے سادہ لوح اربابِ روایات نے اس میں کس طرح افسانویت کا رنگ بھرا ہے کہ طبیعت پیچ و تاب کھا کھا کے رہ جاتی ہے۔

آخر میں میں نے عرض کیا " بہرحال اس واقعہ سے میں یہ استدلال کرتا ہوں کہ نکاح غیر کفو میں بھی منعقد ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت زینب اور حضرت زید کا ہوا لیکن بہتر یہ ہے کہ کفو میں ہو تا کہ نوبت طلاق کی نہ آئے۔ جیسا کہ اس واقعہ میں آئی "؟ میں نے یہ تقریر ختم کی تو بھائی حفظ الرحمٰن نے بڑی مسرت کا اظہار فرمایا اور دعائیں دیں۔

باقی